ہم لوگ

سمیرا یونس ہارون

”اللہ! کے نام پر کچھ دے دو بابا......!“ آج ان دونوں کا پیپر تھا۔ وہ دونوں کالج یونیفارم میں کاندھوں پر کراس میں بیگ لیے اپنی مطلوبہ بس کے انتظار میں کھڑے تھے، جب گداگر کی آواز کان میں پڑی۔

حیدر کے ساتھ مصروفِ گفتگو سعد کی توجہ جب گداگر کی جانب مبذول ہوئی تو وہ چونک اٹھا۔ ہاتھ میں کشکول لیے کئی پیوند والے لمبے سے چغے میں ملبوس وہ اپنی ٹانگ کا لنگ ظاہر کرنے کے لیے بائیں جانب قدرے جھک کے کھڑا تھا۔ سعد کے سامنے کشکول پھیلاتے ہوئے وہ چہرے پر زمانے بھر کی مسکینیت سجائے یوں کھڑا تھا کہ کھاگ سے کھاگ شخص بھی اس کی مسکینیت کے آگے دھوکا کھا جائے۔

سعد کو بھی اس پر رحم آجاتا اگر جو دو روز قبل اس لنگڑے فقیر کو وہ کالج سے کچھ دور رہائشی علاقے کی پچھلی سنسان گلیوں میں ہٹے کٹے تندرست و توانا شخص کی

طرح چلتے پھرتے نہ دیکھ چکا ہوتا۔ سعد کے چونکنے پر گداگر بھی بری طرح چونکا تھا۔ پہلے سعد اور پھر حیدر پر نگاہ ڈال کر وہ بغیر شرمندہ ہوئے چپکے سے کسی اور گاہک کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

''پہچانا؟'' سعد نے معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے حیدر کی سمت دیکھا۔

''ہاں یار! یقیناً آسکر ایوارڈ کا حقدار ہے۔'' حیدر نے دور سے آتی بسوں میں اپنی مطلوبہ بس ڈھونڈنے کی کوشش کی اور ناکام ہونے کے بعد کوفت کا شکار ہوا۔

''میری مطلوبہ بس آج کی تاریخ میں آتو جائے گی ناں......؟'' حیدر نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا اور کسی قدر بیزاری سے کہا۔

روز بائیک اور کار پر سفر کرنے والوں سے بسوں کے ایسے نخرے ذرا کم ہی برداشت ہوتے ہیں۔ حیدر کی کار سروس کی غرض سے ورکشاپ پہ تھی اور سعد اپنے باپ پہ جتانے کے لیے کہ اس کی بائیک دو سال چل چکی ہے لہٰذا اب نئی بائیک آجانی چاہیے، احتجاجاً گھر چھوڑ آیا تھا۔

''کیا کہہ سکتے ہیں؟'' سعد نے کندھے اچکائے۔

اسی اثنا میں آدمیوں سے لبالب بھری بس ایک عینک والے شخص کے اشارے پر ان کے قریب آرکی۔ کئی منٹوں سے بس کے انتظار میں کھڑا شخص لپک جھپک آگے بڑھا۔ قبل اس کے کہ وہ بس تک پہنچتا، ایک فربہ اندام شخص اُن کے عقب سے نکل کر پھرتی سے آگے بڑھا اور بس کی راڈ پکڑ لی۔

عینک والا شخص ''پھرتی'' کی اس ریس میں شکست کھا کر پیچ وتاب کھا کے رہ گیا۔

فربہ اندام شخص جو راڈ پکڑنے میں کامیاب ہوگیا تھا اب نگاہیں جھکا کر پائدان پر محض ایک پاؤں دھرنے کی جگہ ڈھونڈ رہا تھا جو اسے ایک آدھ کے پاؤں کچلنے اور ان پیر کچلے لوگوں کے منہ سے مغلظات سننے کے بعد مل ہی گئی۔

اس کے پیچھے لائن میں کھڑا عینک والا شخص ایک پیر سے مطلوبہ فاصلہ طے کرنے کی مہم میں حصہ لینے کے لیے بالکل تیار کھڑا تھا۔

اس سارے عرصے میں ڈرائیور صاحب کئی بار ہارن دے کر اور گاڑی ہلکے سے آگے بڑھا کر اور جھٹکے سے روک کر اپنی شتابی کے کئی اظہار کر چکے تھے جبکہ کنڈیکٹر صاحب بس پہ ہاتھ مارتے ہوئے اور ''شاوا شاوا جلدی'' کے نعرے بلند کرتے ہوئے مہم کو مزید سنسنی خیز بنانے میں اہم کردار ادا کر رہے تھے۔

عینک والے شخص نے راڈ پکڑنے کے بعد پائدان پر ایک پاؤں کی جگہ ڈھونڈنے کی کوشش فضول جان کر بس کی باڈی کے ڈیزائن پر پیر جما دیا تھا۔

ڈرائیور کو بڑی جلدی تھی سو گاڑی فوراً حرکت میں آئی۔

''شاید کنڈیکٹر صاحب یہیں رہ جائیں۔'' لوگوں سے حلق تک بھری بس کو دیکھ کر سعد نے اندازہ لگایا۔ ایک پل کو تو اسے لگا جیسے کنڈیکٹر صاحب بھی ٹھوڑی کھجاتے ہوئے اسی فکر میں غلطاں ہیں۔ مگر اگلے ہی پل اس کے خیال کی نفی ہوگئی جب کنڈیکٹر بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی...... کے مصداق بس کی باڈی کے پیچھے حصے کی راڈ پکڑ کر ''شاوا، شاوا'' کے نعرے لگاتا ہوا لٹک گیا۔

''یہ ہے ہمارا پاکستان......'' اس سارے منظر کو انہماک سے دیکھنے کے بعد سعد نے حیدر سے کہا۔

''پاکستان نہیں جگر......!'' حیدر نے تصحیح کی۔ ''پاکستان کے لوگ بولو۔''

''شہر، ملک، علاقے لوگوں سے ہی بنتے ہیں۔ میرے عزیز! کوئی ملک یا شہر بذاتِ خود کچھ نہیں...... یہ تمہارے میرے جیسے لوگ ہی ہیں جو اپنے رہائشی علاقے کو نیک نام یا بدنام بناتے ہیں۔''

''ہاں! سو تو ہے۔'' حیدر نے ایک بار پھر قدرے بے چینی سے وقت دیکھا...... وقت سے کافی پہلے نکلنے کے باوجود اسے خدشہ تھا کہ بس اسے مقررہ وقت پر کالج نہیں پہنچائے گی۔

''میرا پاکستان، میری نظر میں وہی ہے جو اس کے لوگ ہیں۔'' سعد نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''اور اس کے لوگ کیا ہیں؟ اس کا مظاہرہ ہم پچھلے دس، گیارہ منٹ سے کر رہے ہیں، اپنے لنگ کا بہانہ بنا کر لوگوں کو دھوکا دیتا ہوا گداگر...... دوسروں کا حق مار کر محض اپنا فائدہ سوچنے والا موٹا شخص جس نے عینک والے شخص کی لاعلمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پیچھے سے ''وار'' کیا اور خود پہلے بس میں سوار ہو گیا۔ حالانکہ پہلا حق اسے عینک والے شخص کا بنتا تھا۔'' سعد نے باقاعدہ تجزیہ کرتے ہوئے کہا۔

''پیسے کمانے کی دُھن میں پاگل ہوتے یہ بس ڈرائیور اور کنڈیکٹر صاحبان جو بس میں گنجائش نہ ہونے کے باوجود سواریاں لیتے رہتے ہیں۔ یہی تو ہے ہمارا پاکستان۔'' اس نے کسی قدر طنز سے کہا۔

حیدر نے مسکرا کر اس کا شانہ تھپکا اور سامنے سے آتی بس کی جانب اشارہ کیا۔

سعد کے روٹ کی بس آ گئی تھی۔ اس نے بس رکوائی اور اللہ کا نام لے کر حلق تک بھری بس کے پائدان پہ اپنا پیر جمایا۔ دوسرا پیر جمانے سے پہلے ہی بس ''شاوا، شاوا'' کے نعروں کی گونج میں اپنی منزل کی جانب رواں ہوئی۔ سعد نے راڈ پر مضبوطی سے ہاتھ جمایا اور اپنے آگے کھڑے دو بندوں کے درمیان بننے والی ہلکی سی درز سے اس نے ایک آنکھ میچ کر اندر جھانکا تو نگاہ کسی کے شانے، کسی کی کمر اور کسی کی گردن سے ٹکرا کر واپس آ گئی۔ وہ ایک ہاتھ سے راڈ تھامے پورے کا پورا باہر تھا۔

دفعتاً بس کے اندر ہلچل مچی، کچھ بے ہنگم سا شور ابھرا اور ایک ٹانگ اس بے کراں ہجوم سے نکل کر پائدان پر کھڑے سعد تک پہنچی۔ اس کے بعد ایک ہاتھ نمودار ہو کر راڈ تک آیا اور آخر میں چند لمحوں کی دھکم پیل کے بعد پورا بندہ گیٹ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اپنی کامیابی پہ اس شخص نے سکون بھری سانس لی اور دروازے پر ہاتھ مار کر گاڑی رکوائی۔

وہ شخص بظاہر بخیر و عافیت منزل تک پہنچ گیا تھا۔ اب اسے اترنے کے لیے راستہ دینے کے لیے لازمی تھا کہ پہلے پائدان پر کھڑا سعد نیچے اترے۔

بس سے اترنے کے بعد بھی ڈرائیور صاحب کی جلدی کے پیشِ نظر سعد نے بس کے راڈ کو کسی قیمتی متاع کی طرح تھامے رکھا۔ مبادا سائڈ مرر سے دیکھنے والے ڈرائیور صاحب کہیں اس کی منزل بھی اسی جگہ کو سمجھ بیٹھیں اور گاڑی بھگا لے جائیں۔ اور پھر دوسری بس کے انتظار کا مطلب تھا کہ مزید نو، دس منٹ کا زیاں اب کی بار سعد سوار ہوا تو اسے اندازہ ہوا کہ اس ایک شخص کے اتر جانے کے باوجود بس کی آبادی میں کوئی خاطر خواہ اثر نہیں پڑا تھا۔

دفعتاً کنڈیکٹر صاحب اسے بڑی زور کا دھکا دیتے ہوئے اندر سوار ہوئے۔ دھکا اتنا شدید تھا کہ اگر اسے ذرا کھلی جگہ میسر ہوتی تو وہ یقیناً چاروں شانے چت ہو جاتا۔ اب اس قدر پُر ہجوم جگہ پر وہ گرتا تو کیا، البتہ اس ''شاندار'' دھکے کے سبب بس کے اندر جگہ بنانے میں کامیاب ضرور ہو گیا تھا۔

''کرایہ۔'' کنڈیکٹر کی کراری آواز سے اپنے کان کے قریب سنائی دی۔

''صبر کر جا بھائی! گاڑی کسی سگنل پر رکے گی تب ادا کر دوں گا۔'' سعد نے کسی قدر بیزاری سے کہا۔

پھٹیچر بسوں کے یہ سر پھرے ڈرائیور حضرات فل رفتار سے گاڑی چلانے کے بعد جب ایک جھٹکے سے اچانک بریک لگاتے تھے تو تمام کے تمام مسافر باجماعت رکوع کے بل جھکتے چلے جاتے تھے۔ ایسے میں سعد راڈ چھوڑ کر جیب سے کرایہ نکالنے کا خطرہ نہیں مول لے سکتا تھا۔

''کرایہ......'' کنڈیکٹر اب دوسرے شخص کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔

معاً اسے اپنی پینٹ کی جیب پر کسی کے ہاتھ کے لمس کا احساس ہوا۔ سعد نے پھرتی سے اپنی جیب پر موجود اس شخص کے ہاتھ پر مضبوطی سے اپنا ہاتھ جمایا

اور گردن ترچھی کر کے مذکورہ ہاتھ کے مالک کو تلاشنا چاہا۔ بھانت، بھانت کے کئی قسم کے چہروں پر اسے یکساں بیزاری نظر آئی، جو اس کی طرف متوجہ بھی نہیں تھے۔ سوائے ایک شخص کے وہ مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

''اس قدر رش والی جگہ میں جہاں جیب سے جیب ملی ہو، بندے سے اپنی جیب تک پہنچنے میں ایسی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔'' ڈھٹائی کے تاثرات سے مزین اس کے چہرے پر سعد شرمندگی کے تاثر کو پانے میں ہلکان ہوا اور جھنجلا کے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

''برادرم! آپ کے الفاظ آپ کی دلی کیفیت کا ساتھ نہیں دے پا رہے۔ آپ کے چہرے کے تاثرات پر یہ فقرہ موزوں رہے گا کہ بھائی! مسلمان، مسلمان بھائی ہیں۔ اور بھائیوں میں تیرا، میرا کیسا؟ آپ کی جیب اور میری جیب ایک ہی بات ہے۔'' سعد نے طنزیہ کہا۔

مگر چونکہ ایسے لوگ اپنے سننے کی بھی پوری قوت، قوتِ بصارت پر صرف کرتے ہیں لہٰذا اس نے بھی سعد کے فقرے پر دھیان دینے کے بجائے اپنی عقاب جیسی نگاہوں کو کسی اور ''شکار'' کی تلاش میں لگا دیا۔ جس کی جیب پر وہ ہاتھ صاف کر سکے۔

وہ شاید، نیا نیا اس میدان میں اترا تھا۔ ورنہ پچھلے برس بس کے سفر کے دوران اس کی جیب سے موبائل اس مہارت سے نکالا گیا تھا کہ اسے تو کیا اسے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو سکی تھی۔ اپنے فن میں اس قدر طاق شخص اسے اگر ایک بار مل جاتا تو اس کے فن کو سراہنے کے لیے وہ ایک بار تو ضرور ایڑی بجا کر اسے سلیوٹ کرتا۔ سعد نے بیزاری سے سر جھٹک کر کھڑکی سے باہر نگاہ دوڑائی۔ منزل تک پہنچنے میں بہت کم فاصلہ رہ گیا تھا، سو گیٹ تک پہنچنے کی کوشش ابھی سے کرنی تھی۔

اس نے کنڈیکٹر کو کرایہ تھمایا اور گیٹ تک پہنچنے کے لیے لوگوں کے بیچ کوئی درز تلاش کرنے کی کوشش کی۔

''برائے مہربانی راستہ دیں۔'' اسے راستہ دینے کی کوشش میں بس میں تھوڑی ہلچل مچی۔

''او بھائی...... آرام سے!'' یہ اس شخص کی آواز تھی جس کی سائڈ سے سعد بہ مشکل اپنی ٹانگ نکالنے میں کامیاب ہوا تھا۔

''اوئے!'' ایک دلدوز چیخ ابھری۔ ''میرا پیر۔''

گیٹ تک پہنچنے تک سعد کو بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ سفر کی ابتدا سے جس سے وہ گیٹ پر کھڑا تھا۔ ایک مسافر کے اترنے سے قبل بے ہنگم شور کیوں اٹھا تھا۔

بس کو روکنے کے لیے اس نے بے قراری سے دروازے پر ہاتھ مارا۔ بس ایک جھٹکے سے رکی۔ وہ سنبھل کر اترا...... ہاتھوں سے اپنے بے تحاشا بے ترتیب بالوں کو سنوارا۔ شرٹ جو بس میں بیٹھنے سے پہلے تک پینٹ کے اندر تھی، اب آدھی سے زیادہ باہر نکلی ہوئی تھی۔ کراس میں لیا گیا بیگ اب گلے میں ڈھول کی طرح جھول رہا تھا۔

بس سے آزادی ملنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ کسی محاذ سے غازی بن کر لوٹنے والے کی خوشی کا کیا عالم ہوتا ہوگا۔ دوبارہ انسانوں والے حلیے میں آتے ہوئے اسے چند منٹ لگے۔

کلائی موڑ کے اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ بس والے نے اسے مقررہ وقت سے بیس منٹ پہلے پہنچا دیا تھا۔ وہ گہری سانس لے کر بس والے کا مشکور ہوا' اسے پیپر کی کوئی فکر نہیں تھی۔ فقط وہ مقررہ وقت پر پہنچنے کے لیے متفکر تھا اس قدر پُر مشقت سفر کرنے کے بعد پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ سو اس نے کسی مشروب والے کی تلاش میں ارد گرد نگاہیں دوڑائیں۔

گنے کے رس والے کی دکان اس سے چند قدم کے فاصلے پر ہی تھی۔ دکان کیا تھی؟ تین دیواری میں ایک دیوار کپڑے کے پردے کی تھی۔ اور چوتھی دیوار جس پر دروازہ ہونا چاہیے وہاں گنے والے نے ٹھیلا لگا کر باہر ہی سے پیاسی مخلوقِ خدا کو سیراب کرنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ البتہ اگر کوئی اس تین دیواری کے اندر بیٹھ کر پینا چاہے تو اس پر بھی ممانعت نہیں تھی۔

سعد اندر جا کر پنکھے کے نیچے ایک بینچ پر بیٹھ گیا اور

اپنادایاں بازو دبانے لگا جو بس میں مسلسل راڈ کو پکڑنے کے سبب اب درد کررہا تھا۔

''جی صاحب! کیا خدمت کروں آپ کی؟''

اسی پل مشروب فروش نے پیچھے مڑ کر سعد کو مخاطب کیا۔

سعد نے اپنا دایاں ہاتھ دباتے ہوئے اس مختصر سی تین دیواری کو اور پھر اس کے ٹھیلے کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ وہ قومی مشروب سے پیاس بجھانے کے علاوہ مزید کیا خدمت انجام دے سکتا ہے۔ چند منٹ کے جائزے میں ہی وہ جان گیا کہ مشروب فروش کوئی اور خدمت انجام نہیں دے سکتا۔

''جو سب کی کرتے ہو بھائی! وہی میری بھی کرو۔''

مشروب فروش نے ایک ٹھنڈا ٹھار گلاس اسے تھمایا اور دوبارہ باہر موجود گاہکوں کی سمت متوجہ ہوگیا۔

اپنی پیاس بجھا لینے اور کچھ دیر سستا لینے کے بعد وہ جس وقت باہر آیا اس وقت تک تمام گاہک جا چکے تھے اور مشروب فروش تنہا کھڑا دور سے آتے پانچ بندوں کے گروہ پر مشتمل کالج کے لڑکوں پہ نگاہیں جمائے کھڑا تھا۔

وہ کالج کے لڑکے اسی سمت آرہے تھے۔ مشروب فروش نے کن انکھیوں سے اپنے بائیں اور دائیں دیکھ کر اپنے تنہا ہونے کا یقین کیا اور جگ میں موجود گنے کے رس کو پاس موجود برتن میں انڈیلنے کے بعد اس میں آدھے جگ پانی کی ملاوٹ کردی۔

سعد نے مشروب فروش کے عقب سے اس منظر کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے اس کے روبرو آیا۔ اس اچانک افتاد پر وہ کھسیا کر سعد کی جانب متوجہ ہوا۔

''میں نے کچھ نہیں دیکھا دوست! تم آرام سے اپنا کام کرلو۔'' سعد نے اس کی کھسیاہٹ سے حظ اٹھاتے ہوئے کسی قدر شرارت سے کہا۔

''یہ لڑکے میرے روز کے گاہک ہیں۔ میں نے یہ حرکت ان لڑکوں کے خیال سے ہی کی ہے۔ اگر میں تازہ رس نکالنے کے چکر میں پڑوں گا تو دیر ہوجانے کے سبب یہ لڑکے وقت پر کالج نہیں پہنچ پائیں گے۔''

اپنی خفت منانے کے لیے وہ الٹی سیدھی وضاحتیں پیش کرنے لگا۔

''تم...... موقعۂ واردات پہ رنگے ہاتھوں پکڑے گئے ہو دوست! سو اب بلاوجہ صفائیاں نہ پیش کرو۔'' سعد کے مزے لیتے انداز پر مشروب فروش کی کھسیاہٹ آن کی آن میں غصے میں بدلی۔ اس نے ایک نظر قدم بقدم قریب آتے کالج بوائز پر ڈالی اور دھیمے مگر تیکھے لہجے میں بولا۔

''زیادہ ہیرو بننے کی ضرورت نہیں...... تم بھی کوئی اتنے اچھے نہیں...... اگر میری جگہ ہوتے تو تم بھی یہی کچھ کرتے......'' سعد نے مسکراتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔

''چلو آؤ...... جگہ بدل کے دیکھتے ہیں۔'' سعد کا حظ اٹھاتا لہجہ...... مشروب فروش کا غصہ بڑھا رہا تھا۔

''یہاں ہر شخص کے اندر ایک چور چھپا ہوا ہے۔ بس موقع ملنے کی دیر ہے۔ ایسی ڈنڈیاں تم بھی اپنے معمولات میں مارتے ہی رہتے ہوگے اور آئندہ کبھی موقع ملا تو ضرور اس سے فائدہ اٹھاؤ گے۔'' مشروب فروش پُر یقین لہجے میں کہتے ہوئے پانچ لڑکوں کی طرف متوجہ ہوگیا جو اب قریب آچکے تھے۔

''دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔'' سعد نے گنگناتے ہوئے جیب سے رقم نکال کر ادائیگی کی اور کالج کی سمت چل دیا۔

کالج کے پچھلے حصے کی طرف بنے رہائشی بنگلے عموماً سناٹوں کی زد میں رہتے تھے۔

سعد نے ایک درخت کی آڑ لی۔ کاندھے سے بیگ اتار کر ''پھرے'' نکالے اور اسے اپنی جرابوں، کالر اور پینٹ کی بیلٹ میں نہایت مہارت سے چھپادیا۔

اگر یہ کام وہ گھر سے کر آتا تو بسوں کے دھکے کھانے اور ٹانگوں میں پسینہ آنے کے سبب ''پھرے'' خراب ہونے کا اندیشہ تھا۔ نہایت ''اہم'' کام سے نمٹنے کے بعد وہ سیٹی پہ شوخ سی دُھن بجاتا خراماں خراماں کالج کی سمت چل دیا۔